Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:1 (1965)

عدلِ اجتماعی اور اُس کی اسلامی بُنیادیں

جناب احمد زکی یمانی
وزیر پٹرول و معدنیات مملکت سعودی عرب

آج سے چودہ سو سال پہلے عالم بشریت پر خوف ناک اندھیرا چھایا ہوا تھا، جس میں انسان کا نہ کوئی احترام تھا اور نہ اسے آزادی کی نعمت میسر تھی۔ جنگل کے قانون کا دور دورہ تھا اور نفسانی خواہشات اور استبداد کا سکہ چلتا تھا۔ عین اس وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی بہتری منظور ہوئی اور اس نے اس خطہ ارض کو جو سب سے زیادہ تاریک تھا، اس غرض کے لئے منتخب فرمایا کہ وہاں ایک ایسی شمع ہدایت روشن کرے، جس سے ساری دنیا نور حاصل کرے۔ اور اس طرح وہ انسان کو اس کی عزت و آزادی واپس لوٹائے اور عدل و انصاف اور مساوات کی بنیادوں پر ایک اچھا معاشرہ وجود میں لائے۔

غرض ایک معجزہ بروئے کار آیا۔ سر زمین مکہ اور اس کے گرد و پیش کے معاشرہ نے، جہاں نسب پر عزت و شرافت کا مدار تھا اور عیش و عشرت میں غرق آقاؤں کی خدمت میں غلام مشقتیں اٹھاتے تھے، ایک نئے معاشرہ کی شکل اختیار کرلی جس میں انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر تھے۔ اور وہ سب مل کر اس طرح ایک جسم بن گئے کہ اگر اس کے ایک حصے کو کوئی شکایت ہوتی تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا۔

ہماری آج کی دنیا ایک مہلک حیرت و اضطراب اور گھپ اندھیرے میں زندگی گزار رہی ہے، صنعت و حرفت کی تمام روشنیاں ان اندھیروں کو دور کرنے سے عاجز اور اہل دنیا کو اطمینان قلب اور حقیقی آزادی واپس دلانے سے قاصر ہیں۔ کینہ ور شیوعیت (کمیونزم) کی افراط اور مستبد سرمایہ داری کی تفریط کے درمیان انسان اپنا احترام کھو چکا ہے۔ اور اقوام عالم اصلاح احوال

کے لئے جو بھی تجربے کرتی ھیں ، ان سے حالات اور بھی خراب اور بدتر ھو جاتے ھیں - آج عقلا اور دانش مند اسی نازک صورت حال پر غور کرنے میں مصروف ھیں - اور ان کے سامنے معاشرے کے ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے اور متضاد گروھوں کی باھمی طبقاتی کشمکش کا سب سے بڑا مسئلہ ھے -

اجتماعی ظلم کا ھمہ گیر مسئلہ

حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ھے ، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے فرض کیا ھے - اور اس لئے بھی کہ اس ضمن میں لوگ اپنے منافع دیکھیں اور باھم مل کر اپنی مشکلات کے بارے میں صلاح و مشورہ کریں - ھم سب کے سب اللہ کے سامنے جواب دہ ھیں کہ اس اجتماعی ظلم کے مسئلے پر غور کریں جس کی جڑوں نے ھر جگہ پھیل کر سرطان کی شکل اختیار کر لی ھے ، اور اس کی جو بھی دوا کی جاتی ھے اس سے مرض اور بڑھتا ھے -

ھم یہاں مکہ میں ھیں جو منبع ھدایت اور مصدر نور ھے - اس لئے یہاں ھم سے یہ توقع نہیں ھونی چاھیئے کہ ھم دوسروں کی طرح ان تجربوں کی طرف رجوع کریں ، جو ناکام ثابت ھو چکے ھیں یا کم از کم ان کی کامیابی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی - ھمیں یہ نہیں کرنا چاھیئے کہ انہی چیزوں کو باھر سے درآمد کریں اور ان کے اجنبی ھونے اور ان کے نقصانات کے باوجود یہاں انہیں نافذ کرنے لگ جائیں - درآں حالیکہ ھمارے پاس ایک کامیاب تجربہ موجود ھے ، جس کا ھم سے قریب ترین تعلق ھے - یعنی ھم اس کے ھیں اور وہ ھمارا ھے "**کتاب احکمت آیاتہ من لدن عزیز حکیم** (یہ کتاب ھے جس کی محکم آیات ھیں - اور زبردست اور حکمت والے کی جانب سے نازل ھوئی ھے) اور وہ شریعت ھے ، جس نے ایسا نظام عدل و انصاف قائم کیا جو فرد کے احترام و آزادی کا محافظ ھے - اور اس کے ساتھ ھی اسے جماعت کی خدمت کا پابند بناتا ھے - اس نظام میں نہ فرد جماعت پر مسلط ھوتا ھے اور نہ جماعت میں اس کی ذات فنا ھوتی ھے البتہ جب جماعت کی مصلحتوں سے اس کی ٹکر ھو تو اس وقت بے شک فرد کے حقوق ختم ھو جاتے ھیں -

میرے نزدیک آج ہمارے لئے اس مسئلہ سے ، جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے ، بڑھ کر کوئی اور مسئلہ نہیں - اور اس سے زیادہ ہمیں کسی اور کے حل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں - لیکن یہ حل ہمارے دین اور ہماری تاریخ سے اخذ ہونا چاہیئے - ہم نے اگر یہ نہ کیا تو جو امانت ہمیں دی گئی ہے وہ گویا ہم نے ضائع کر دی اور مسلمان اقوام کو طوفان کے حوالے کر دیا کہ وہ انہیں بہا کر لے جائے - اور مچھلیاں ان کو نگل جائیں -

اس سلسلے میں صرف یہ کافی نہیں کہ ہم لوگوں کو یہ کہیں کہ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ اسلام کو عملی جامہ پہنایا جائے اور اس کے اوامر و احکام کی متابعت ہو اور اس کے بعد ہم اپنے ملکوں کو چلے جائیں اور مصیبت زدوں کی چیخیں اور مظلوموں اور بھوکوں کی آہیں ہمارے کانوں میں آتی رہیں - اور ہمارے پاس کوئی معین منصوبہ نہ ہو کہ ہم اسے مسلمان اقوام کی مشکلات کے حل کے طور پر پیش کر سکیں - ان حالات میں ہم پر یہ فرض ہے کہ اسلام سے ایسے احکام کا استنباط کریں ، جن سے موجودہ مشکلات کا علاج ہو سکے - اس کے بعد احکام کی تطبیق کے لئے عملی نظر سے غور و فکر کیا جائے پھر ہم اپنے اندر ان احکام الٰہی کو تطبیق دینے کے لئے استعداد پیدا کریں - اور اس راہ میں نہ ہمیں جانوں کی پروا ہو اور نہ مال کی -

مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ عدل اجتماعی کو بروئے کار لانے اور لوگوں کو جور و ظلم سے بچانے کے سلسلے میں اسلام نے جو ہدایات دی ہیں ، اور اس بارے میں اسلام نے جو حل پیش کیا ہے اور انہیں کس طرح عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے ، میں اُن پر پوری طرح بحث کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں - یہ میری حد وسع سے باہر ہے میں تو بس اس بحث کا دروازہ کھول رہا ہوں تاکہ جن حضرات کو مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم اور لوگوں کی مشکلات کا تجربہ ہے ، ان امور پر زیادہ تفصیل سے گفتگو کر سکیں -

زیر بحث موضوع

اجتماعی ظلم کی کئی قسمیں ہیں - ان میں سے ایک ظلم تو وہ ہے ،

جس کا نشانہ فرد بنتا ہے یہ ظلم فرد کی شخصیت کو ختم اور اس کی آزادی و احترام کی نفی کر دیتا ہے ۔ اور یہ سب جماعت کے نام سے اور مصلحت عامہ کے تحت ہوتا ہے ۔ اس ظلم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرد کی طاقت شل ہو کر رہ جاتی ہے ۔ اس کی صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں اور وہ جماعت کے لئے کسی کام کا نہیں رہتا ۔ یہ چیز آج آپ کو انتہا پسند اشتراکی نظاموں میں ملتی ہے ۔

اسی طرح غیر اشتراکی نظام میں بھی ایک فرد کو اپنے رنگ ، مذہب اور اپنی قومیت کی بنا پر احترام و آزادی سے محروم رکھا جاتا ہے ۔ اور وہاں خود جماعت بھی افراد کی حرص و طمع کی وجہ سے اجتماعی ظلم کا شکار ہوتی ہے ۔ اس نظام میں اجارہ داری کا دور دورہ ہوتا ہے ۔ مزدوروں کا خون چوسا جاتا ہے ۔ لوگوں سے ان کی روزی چھین لی جاتی ہے ۔ اور یوں چند افراد کے ہاتھ میں بے شمار دولت جمع ہو جاتی ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثریت مصیبتیں اٹھاتی ہے اور اقلیت عیش کرتی ہے ۔ معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے اور آئے دن کی شورشوں اور انقلابوں کے لئے راہ ہموار ہو جاتی ہے ۔ یہ استحصال پسند نظام حد سے بڑھی ہوئی سرمایہ داری کا ہے ۔ اور اس میں فرد اور جماعت ہر دو اجتماعی ظلم کا نشانہ بنتے ہیں ۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس سارے اجتماعی ظلم کا مبدأ و مصدر دولت ہے ۔ اور یہ مان کر اجتماعی ظلم کا جو بھی علاج کیا جاتا ہے ، وہ ایک تو سراسر مادی ہوتا ہے ۔ دوسرے اس میں بڑی تنگ نظری پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ ظلم کا توڑ ظلم سے کیا جاتا ہے ۔ اور حرص و طمع کا علاج کینہ و منافرت میں ڈھونڈا جاتا ہے ۔

اس بارے میں جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس نے بھی بے شک مال و دولت کو خاص اہمیت دی ہے ۔ اور اس پر اپنی خصوصی توجہ مبذول کی ہے ۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ دولت ہی اجتماعی ظلم کا ایک بہت بڑا سبب ہے ۔ لیکن اسلام نے اس مسئلہ دولت سے مختلف طریقوں سے نمٹنے کی کوشش کی ہے ۔ اس کے پیش نظر سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ فرد اور جماعت کے یہ

دو پلڑے ہوتے ہیں ، ان کو برابر رکھا جائے - اور اگر دو میں سے کسی ایک کا جھکنا ناگزیر ہو ، تو وہ پلڑا جماعت کا ہو - اسلام کے نزدیک اجتماعی عدل و انصاف کے معنی صرف یہ نہیں کہ لوگوں کو مساوی اجرتیں ملیں اور اس طرح اقتصادی ناہمواری نہ پیدا ہو سکے ، جیسا کہ اشتراکی نظام میں ہے ، لیکن یہ چیز عملی زندگی میں ناکام ہو چکی ہے - اس کے بر خلاف اسلام ایک ایسی انسانی مساوات چاہتا ہے ، جو بہت سی قدروں کی جامع ہو - اور ظاہر ہے ان قدروں میں سے یقیناً ایک قدر اقتصادی بھی ہو گی - جس کے مطابق سب کو ایک سے مواقع حاصل ہوں - اور سب افراد اپنی عملی صلاحیتوں کے اظہار میں آزاد ہوں -

حق ملکیت اور افراد کے حقوق

دولت کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر بڑا عادلانہ اور دانش مندانہ ہے - سب سے پہلے تو وہ انفرادی ملکیت کی حمایت کرتا ہے - وہ اس ملکیت کو اتنا ہی قابل احترام سمجھتا ہے ، جتنا انسانی جان کو (۱) - وہ مال کے مالک کو مال کی حفاظت کا دیتا ہے - اور وہ اس کے لئے لڑ بھی سکتا ہے - اگر مال کا مالک اس کی حفاظت کرتا ہوا جان دے دے ، تو شہید ہوگا (۲) اگر اس کے مال پر چور دست درازی کرے ، تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے - (۳) یا اگر کوئی شخص اس کے مال کو غصب کرے ، تو وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا (۴) -

ایک فرد اگر شرعی لحاظ سے جائز طریقوں سے مال حاصل کرتا ہے - تو وہ اسے بلا کسی مانع کے استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے (۵) - اور یہ اس لئے کہ اللہ نے جو نعمت دی ہے ، اس کے آثار اس سے ظاہر ہوں (۶) - اس بارے میں کنجوسی بھی اتنی ہی ممنوع ہے ، جس قدر فضول خرچی (۷) وہ اس مال کو شرعاً جائزطریقوں سے افزائش مال کے لئے استعمال کر سکتا ہے - بشرطیکہ اس سے جماعت کے مفادات و مصالح پر زد نہ پڑے - جس صاحب مال کا انتقال ہو جائے تو اس کی متروکہ ثروت اس کے وارثوں پر فطری طریقے پر تقسیم ہوگی - اور وہ ایک جگہ جمع نہیں رہے گی -

اسلام کے نزدیک ملکیت نام ہے نیابت اور اجتماعی فریضہ کا چنانچہ باوجود اس کے کہ اسلام نے انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کیا ہے اور اسے ہر طرح کی ضمانت دی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس نے مال کے مالک کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس دینی اساس کو اچھی طرح سے سمجھ لے ، جس پر کہ اس کی ملکیت قائم ہے اور اس اہم مقصد کو جانے ، جس کی بنا پر اسے ملکیت میں تصرف کرنے کا حق دیا گیا ہے - اور یہ اس لئے کہ صاحب مال کے اندر ایسی نفسیاتی استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ طمع و حرص سے بچ کر اس اجتماعی فریضہ کو ادا کر سکے ، جو بحیثیت مال کے مالک کے اس پر عائد ہوتا -

قرآن مجید نے کئی جگہ وضاحت کی ہے کہ مال کا اصلاً مالک اس کا دنیاوی مالک نہیں ہے ، بلکہ اس کی حیثیت تو محض ایک نائب اور وکیل کی ہے اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے - ارشاد ہوتا ہے - '' للہ ما فی السموات وما فی الارض (۹) (جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے ، وہ سب اللہ کے لئے ہے) - اللہ نے اپنے بندوں کو اس ملکیت کے استعمال کے لئے نائب بنایا ہے - '' آمنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ '' (۱۰) (ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو) قرآن مجید میں جہاں غلاموں کی مکاتبت کا ذکر ہے ، وہاں فرمایا گیا ہے - '' و اتوھم من مال اللہ الذی اتاکم '' (۱۱) (اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دیا ہے ، انہیں دو) - چنانچہ یہاں جن لوگوں کو مال دینے کا حکم دیا گیا ہے ، وہ دراصل ایک واسطہ ہیں - مال تو اللہ کا ہے - اور انہیں اللہ نے اس مال پر اپنا نائب و وکیل بنایا ہے -

یہ ہے اسلام کے نزدیک ملکیت کی دینی اساس - اور یہی اسلام کا اہم اصول ہے - غرضیکہ مال کا اصل مالک تو اللہ ہے - اور اس دنیا میں اس کا جو مالک ہوتا ہے ، وہ اس مال سے استفادہ کرنے والا مالک ہوتا ہے ، وہ اس مال کا حقیقی اور اصلاً مالک نہیں ہوتا - اب اگر استفادہ کرنے والا مالک جن شرائط پر اسے استفادہ کا حق دیا گیا ہے ، ان کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ، تو اسے اس وقت تک اس حق سے محروم کر دیا جائے گا ، جب تک

وہ اس کا اہل ثابت نہ ہو جائے ، '' ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما و ارزقوھم فیھا واکسوھم '' (۱۲) (تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو ، جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایہ زندگی بنایا ھے - اور ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رھو اور پہناتے رھو) اگر مال سے استفادہ کرنے والا مال میں اس طرح تصرف کرتا ھے ، جس سے جماعت کے مفادات و مصالح کو نقصان پہنچتا ھے - اور اس ضمن میں در حقیقت جماعت کے مفادات و مصالح ھی اصل مقصد ھیں ، تو اس صورت میں اسے مال میں تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا - اور اس سے جماعت کو جو نقصان پہنچا ھے - اس کی تلافی کر دی جائے گی - اب اگر یہ شخص مر جاتا ھے اور کوئی وارث نہیں چھوڑتا - تو یہ مال جماعت کی طرف لوٹے گا - کیونکہ مال پر اصل حق تو جماعت کا ھے - یہ شخص جماعت کے مفادات و مصالح کے تحت اس مال میں تصرف کرتا اور اسے افزائش مال کے لئے استعمال کرتا ھے -

شریعت اسلامی پہلا نظام قانون ھے جس نے انفرادی حقوق کے استعمال پر اس غرض سے پابندیاں عائد کی ھیں کہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے - اور اس طرح صاحب مال کے اختیار کو محدود کر دیا ھے - قرآن مجید نے بہت سے مقامات میں اس سلسلے میں زیادتیوں کے ارتکاب سے روکا ھے - خاص طور سے وصیت ، طلاق اور دوسروں سے اپنا حق طلب کرنے جیسے معاملات میں زیادتی کرنے کی ممانعت آئی ھے - (۱۳) اس بارے میں شریعت اسلامی کا بنیادی اصول یہ ھے :- نہ تو خود نقصان اٹھایا جائے اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے- اور یہ کہ اگر دو برائیاں ناگزیر ھوں ، تو سب سے کم برائی اختیار کی جائے -

حنفی اور مالکی مسلک

جماعت کے مفادات و مصالح فرد کے مفادات و مصالح سے مقدم ھیں ، حنفی اور مالکی فقہی مسالک میں ھمیں بڑے واضح احکام ملتے ھیں -

کسی حق کو صرف اسی غرض کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ھے ، جس غرض کے لئے وہ حق دیا جائے - امام مالک نے اسی اصول کو احوال شخصی کے

مسائل پر منطبق کیا ہے۔ خاص طور پر جیسا کہ باپ کا اپنے صغیر سن بیٹے کے اموال کا متولی ہونا (۱۳) ۔ باپ کا اپنی صغیر سن لڑکی کا اس کے ارادے کے بغیر نکاح کرنا (۱۵) ۔ ایک بالغ لڑکی کے ولی باپ کا اس کے نکاح پر معترض ہونا (۱۶) ۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) نے اسی اصول کو صغیر سن لڑکے کے باپ اور ولی کے اس لڑکے کے اموال پر متولی ہونے اور نکاح کے معاملے میں وکیل کو وکالت عامہ دینے کے معاملات پر منطبق کیا ہے۔ اور یہ حقوق باپ و ولی اور وکیل کو اس لئے دیئے گئے ہیں کہ وہ ان لوگوں کے مفادات کا خیال رکھیں، جو ان کی نگرانی میں ہیں ۔ یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ نکاح کے معاملے میں وکالت عامہ دیئے جانے کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ہے (۱۷) ۔

اگر کسی حق کو استعمال کرنے سے خلاف معمول ضرر پہنچے تو یہ حق شرعاً ناجائز ہوگا ۔ امام مالک نے اس اصول کو عمومی لحاظ سے پڑوس کے تعلقات (۱۸)، مکانوں کی کھڑکیاں کھولنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے جھگڑوں کو نمٹانے (۱۹) شاملات کی چیزوں کو تقسیم کرنے (۲۰) غیر آباد زمینوں پر قبضہ کرنے (۲۱) پر منطبق کیا ہے اور اس بارے میں یہ فیصلہ دیا ہے، کہ اگر مذکورہ بالا معاملات میں کسی حق کے استعمال سے خلاف معمول ضرر پہنچے تو صاحب حق کو اپنے حق کے استعمال سے روکا جا سکتا ہے ۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین نے اس اصول کو کئی منزلہ مکانات کے مالکوں کے حقوق و واجبات، موکل کی غیر موجودگی میں وکیل کے موکل کی وکالت سے دست بردار ہونے اور کام والے کے حق کو کسی شخص سے اس نے کام کے متعلق جو معاہدہ کیا ہے، اس کو فسخ کرنے کے بارے میں مقید کئے جانے پر منطبق کیا ہے (۲۲) ۔

اب ایک شخص ہے جسے اپنے حق کے استعمال سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، لیکن اس سے دوسروں کو نقصان ہوتا ہے، تو اس حق کا استعمال

ناجائز ہوگا - اس اصول کا مقصد پڑوسی کو اس کے کسی ایسے حق ملکیت کے استعمال سے روکنا ہے ' جس سے اسے تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا - لیکن دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے - امام مالک نے اس بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے اپنے حق ملکیت کا سہارا لینا جائز نہیں (۲۳) -

اسی غرض کے لئے حنفیہ نے بھی اس اصول کو استعمال کیا ہے - اور کتاب الخراج اس اصول کی عملی تطبیقات سے بھری پڑی ہے - جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ امام ابو یوسف غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے معاملے میں امرا اور والیان حکومت ہر دو کے حق کو اس بنا پر محدود کرتے ہیں اگر اس سے دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے (۲۴) -

اوپر جو کچھ مذکور ہوا ' اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ حقوق اور ان کے استعمال کے متعلق حنفیہ اور مالکیہ کا نقطہ نظر آپس میں ملتا ہے - ان کے نزدیک ہر حق سے ایک غرض اور مقصد وابستہ ہوتا ہے - جسے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - اگر صاحب حق اس مقصد کی خلاف ورزی کرتا ہے - اور وہ اپنے اس حق کو دوسرں کی ضرر رسانی کے لئے استعمال کرتا ہے - تو اس کا ایسا کرنا ظلم اور زیادتی سمجھا جائے گا اور اس حق کا کوئی قانونی جواز نہیں رہے گا -

امام شافعی کا مسلک

امام شافعی عام طور پر اس نظریئے کے حامی ہیں - ان کے نزدیک حقوق علی الاطلاق صاحب حقوق کے ہیں - اور وہ جیسے چاہے ' اسے استعمال کر سکتا ہے خواہ اس میں اسے کوئی فائدہ نہ ہو ' یا دوسروں کو اس سے نقصان پہنچے - لیکن اس کے باوجود بعض قرآنی احکام اور مستقل عادات کی وجہ سے وہ مجبور ہوئے کہ اپنے اس اصول کو مطلق نہ رہنے دیں (۲۵) - امام شافعی کے بعد ان کے جو شاگرد آئے ' انہوں نے امام صاحب کی اس رائے سے اختلاف کیا اور وہ اس بارے میں حنفیہ اور مالکیہ کے مسلک پر چلے - امام شافعی

کی اس رائے کے خلاف شوافع میں سے جس قابل ذکر شخص نے لکھا ہے ' وہ امام غزالی ہیں - انہوں نے نکاح' طلاق ، معاہدہ اور پڑوسی کے حقوق پر اسی اجتماعی مقصد کی روشنی میں بحث کی ہے - (٢٦)

متاخرین میں سے اس نظریے کے قواعد و ضوابط کے اثبات میں ابن القیم رضی اللہ عنہ کا بڑا اہم کردار رہا ہے- انہوں نے امام شافعی کی رائے کی مخالفت کی کیونکہ یہ رائے ظلم کی موجب اور عدل و انصاف کے منافی ہے - (٢٧) چنانچہ نویں صدی ہجری کے فقہاء کے ہاں تقریباً یہ رائے عام طور پر تسلیم کی جانے لگی کہ حق کے استعمال میں دوسروں پر ظلم و زیادتی نہیں ہونی چاہیئے (٢٨)- مجلہ" الاحکام العدلیہ کی اکثر دفعات میں اس نظریے کی تطبیقات ملتی ہیں (دفعات ١١٩٨ — ١٢١٢) - اسی طرح قدری پاشا مرحوم نے اپنی کتاب الاحوال العینیہ" میں اس نظریے کی بعض تطبیقات بیان کی ہیں (دفعات ٥٧-٥٩) - ١٩٤٨ء میں اپنے حق کے استعمال میں ظلم و زیادتی کے ارتکاب کے اس نظریے کو ، جیسا کہ وہ شریعت میں ہے ، مصر میں داخل کیا گیا ہے -

اسلام کا نظریہ ملکیت اور یورپی ماہرین قانون

یورپ کے ماہرین قانون میں سے جو اسلام کے اس نظریہ ملکیت ، اس کے مقاصد اور اس کے انفرادی حقوق کے استعمال پر جو قیود عائد ہیں ، ان سے متاثر ہوئے ، ان میں سے ایک فرانسیسی پروفیسر دوجی تھے - موصوف ایک عرصے تک قاہرہ میں لا کالج کے پرنسپل رہے تھے - اور ظاہر ہے اس دوران میں ان کا مصر کے علما و فقہا سے ملنا جلنا رہا - پروفیسر دوجی نے اپنا " تکافل اجتماعی " (اجتماعی کفالت) کا مشہور نظریہ پیش کیا ہے - اس ضمن میں وہ ملکیت کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ وہ ایک اجتماعی فریضہ ہے - بعد ازاں انہوں نے اس کی بالکل اسلامی نقطہ نظر کے مطابق تشریح کی ہے - پروفیسر موصوف کا یہ نظریہ مغرب میں خوب مقبول ہوا - ١٩١٧ء میں جب روس میں انقلاب اکتوبر ہوا ، تو ملکیت کے بارے میں بالشویکوں کے اپنے جو نظریے تھے ' وہ حقیقت واقعی کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور وہ انہیں روس کے اس وقت کے حالات میں منطبق کرنے میں ناکام رہے - انقلاب کے پانچ سال بعد لینن مجبور ہو گیا کہ وہ بعض بورژوائی قوانین ملکیت کو بحال کرے تاکہ ان

کو شیوعت کی منزل تک پہنچنے سے پہلے کا جو دور انتقال ہے ، اس میں نافذ کیا جائے - اسے N. E. P. (نیو اکنامک پالیسی) کا نام دیا گیا - لینن نے اپنی اس پالیسی کی تشکیل میں پروفیسر دوجی کی تحریروں سے استفادہ کیا - اس کا خود بہت سے روسی ماہرین قانون نے اعتراف کیا تھا - لیکن بعد میں وہ اپنے اس لکھے ہوئے سے پھر گئے ہیں (۲۹) - لینن کے اس قانون کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ یہ قانون شہری حقوق کی حفاظت کرتا ہے ، سوائے ان حالات کے جب کہ انہیں اجتماعی و اقتصادی اغراض کے خلاف استعمال کیا جائے -

اس سبب سے قطع نظر، جس کی بنا پر اسلامی شریعت اور سوویت روس کے قانون کی اس دفعہ میں مشابہت پائی جاتی ہے، اس سے جو نتائج نکلے ، وہ ایک دوسرے سے مشابہت نہیں رکھتے - اور وہ اس لئے کہ مسلمانوں کے ہاں اصل چیز یہ ہے کہ ملکیت کی کامل حفاظت کی جائے - لیکن اس کے برخلاف اس معاملے میں بالشویک دوسری انتہا سے اپنی بات شروع کرتے ہیں - وہ سرے سے ملکیت کا ہی انکار کرتے ہیں - اور اسے اصلاً باطل قرار دیتے ہیں - لیکن بعد میں جب انہیں حقائق واقعی مجبور کرتے ہیں ، تو وہ ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا استعمال اجتماعی و اقتصادی اغراض کے لئے ہو -

انفرادی ملکیت کے بارے میں اسلام کا عمومی نقطہ نظر

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اسلام نے کس طرح انفرادی ملکیت کی اجازت دی ہے - اور اس حق کی ہر ممکن وسائل سے حفاظت کی ہے - اس کے بعد اس حق کے تصرفات کو اجتماعی قیود کا پابند کر دیا ہے تاکہ ان سے جماعت کو نقصان نہ پہنچے - اور انفرادی ملکیت جماعت کی سعادت کا سبب بنے - لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے انفرادی حرص و طمع کے امکانات کو قابو میں رکھنے کے لئے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا - بلکہ اس نے چند ہاتھوں میں زیادہ سے زیادہ دولت جمع ہونے کا بھی سد باب کیا ہے - قرآن نے اغنیا کے بجائے خاص طور پر صرف فقرا کو مال فئی (وہ مال غنیمت جو بغیر لڑائی کے ہاتھ آئے ، دیئے جانے کا جو سبب بتایا ہے ، وہ یہ ہے " لا یکون دولۃ بین

الاغنیاء منکم" (تم میں سے جو اغنیا ہیں ' صرف انہیں کے درمیان مال منتقل نہ ہوتا رہے) - اس کے علاوہ اسلام نے نفع پر نہیں بلکہ اصل سرمائے پر زکوۃ فرض کی ہے - اسی ضمن میں اسلام کا وراثت کا قانون آتا ہے جس کے تحت متوفی کی ثروت سب رشتہ داروں میں تقیسم ہوتی رہتی ہے - مزید بر آں اسلام نے ناجائز ذرائع سے افزائش دولت کو بھی حرام قرار دیا ہے - غرض یہ سب امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک مال سے اصل غرض فرد اور جماعت کی خدمت ہے - اور وہ چاہتا ہے کہ مال چند ہاتھوں میں جمع ہو کر نہ رہ جائے -

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے حد سے بڑھی ہوئی آرام کی زندگی اور تعیش (ترف) سے بھی منع کیا ہے - قرآن ایسی زندگی گزارنے والوں کو ہلاکت کی دھمکی دیتا ہے - اس میں شک نہیں کہ ترف ایک اضافی چیز ہے - لیکن اس کے باوجود یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام معاشرے کے افراد کے درمیان حد سے بڑھے ہوئے معاشی تفاوت کا مخالف ہے ' اور اس کے خلاف وہ اعلان جنگ کرتا ہے -

وسائل ملکیت اور افزائش دولت کے طریقے

جن وسائل سے ایک فرد صاحب ملکیت بنتا ہے - اسلام نے ان کا تعین کر دیا ہے - اسی طرح اس کا حکم ہے کہ ان وسائل کے بغیر کوئی ملکیت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتی - فقہائے مسلمین کے نزدیک ملکیت کا حق خود اشیا کی طبیعت سے صادر نہیں ہوتا - بلکہ اس حق کا اثبات شارع کرتا ہے - یعنی شرعاً سبب منتج ہوتا ہے ' اس کے مسبب کا - (۳۰)

وسائل ملکیت میں سے سب سے اہم وسیلہ غیر آباد زمینوں کو آباد کرنا ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے - "عام زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے- اس کے بعد تمہاری ہے ' جو غیر آباد زمین آباد کرے' اور اگر ایک شخص تین سال تک زمین روکے رکھے اور اسے آباد نہ کرے ، تو اس زمین پر اس کا حق نہیں رہتا (۳۱) - بہت سے فقہاء کے نزدیک غیر آباد زمین کو آباد کرنے

کی اجازت صرف امام ھی دے سکتا ھے ، اور ایک فرد کو وھی کرنا چاھیئے ، جو اس کا امام پسند کرے (مقالہ نگار کے نزدیک امام سے مراد بالعموم جماعت ھے) -

وسائل ملکیت میں سے ایک اھم وسیلہ عمل ھے - جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ھوا ھے - اور اس کی ھمیں ترغیب دلائی گئی ھے - ارشاد ھوتا ھے - '' **وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ و المؤمنون** '' (۳۲) ان سے کہو کہ عمل کریں - اور جو تم عمل کروگے ، اسے اللہ ، اس کا رسول اور مومنین عنقریب دیکھیں گے) - اس کے بعد ایک اور آیت ھے - '' **فامشوا فی مناکبھا و کلوا من رزقہ** '' (۳۳) - (تم اس (زمین) کے رستوں میں چلو اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ) - رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے عامل (کام کرنے والے) کی بڑی تکریم فرمائی ھے - اور عمل کرنے پر زور دیا ھے - آپ نے فرمایا - ''**ان اللہ یحب العبد المومن المحترف** '' (۳۴) (اللہ تعالیٰ روزگار کرنے والے مومن کو محبوب رکھتا ھے) - آپ کا ایک اور ارشاد ھے - '' **ما اکل احدکم طعاماقط خیرا من عمل یدہ** ،، (۳۵) - (تم میں سے کسی نے کبھی اس کھانے سے بہتر کھانا نہیں کھایا ھو گا ، جو تمہیں اپنے ھاتھ کے عمل سے حاصل ھوا ھو) - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بکریاں چرایا کرتے تھے - اور آپ کو حضرت خدیجہ نے اپنے تجارتی کاروبار کے لئے رکھا تھا - آپ کے بعد آپ کے خلفا اور صحابہ بھی مختلف کام کرتے تھے -

اسلام نے ملکیت کے جو وسائل و ذرائع بتائے ھیں - اگر ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ھے کہ وراثت اور اقطاع (حکومت کا عطا کردہ مال) کو مستثنیٰ کر کے ان سب کا مرکز و مرجع صرف عمل ھے - اور یہ جو دو وسیلے مستثنیٰ ھیں - ان کا پورا جواز موجود ھے - بات یہ ھے کہ اکیلا مال افزائش مال کا سبب نہیں ھوتا ، جب تک کہ اس کے ساتھ عمل و محنت نہ شامل ھو - اب ایک طرف اسلام اور دوسری طرف اشتراکیت و سرمایہ داری کے نظاموں میں جو فرق ھے ، وہ یہاں اچھی طرح سے واضح ھو جاتا ھے - جہاں تک سرمایہ داری کا تعلق ھے - بے شک اس میں عمل کی آزادی ھے - بلکہ

اس کے ہاں یہ وسائل ملکیت میں سے ہے - لیکن اس نے افزائش مال کے معاملے میں صرف سرمائے کو حق مطلق دیا ہے - اور اس کے ہاں یہ اصول مقرر ہے کہ پیسہ پیسے کو کماتا ہے - جہاں تک شیوعیت کا تعلق ہے ' وہ نہ تو ملکیت میں اور نہ افزائش مال میں سرمائے کا کسی طرح کا عمل دخل مانتی ہے' نہ اکیلے سرمائے کا اور نہ سرمایہ اور عمل دونوں کے اشتراک کا - شیوعیت صرف عمل و محنت کو یہ امتیاز دیتی ہے - اس کے بر عکس اسلام کا موقف ان دونوں کے درمیان ہے - وہ عمل و محنت کی اسی طرح تکریم کرتا ہے - جیسے اشتراکیت کے اصول و مبادی اس کی تکریم کرتے ہیں - بلکہ اسلام عمل و محنت کی اس سے بھی بڑھ کر تکریم کرتا ہے - اور وہ یہ تسلیم نہیں کرتا کہ اکیلے سرمائے سے دولت میں افزائش و اضافہ ہو سکتا ہے - اس کے ساتھ ہی وہ ربا کو جو بغیر عمل کے افزائش مال کا ذریعہ ہے ' بڑی سختی سے حرام قرار دیتا ہے - لیکن وہ شیوعیت کی اس بارے میں ضرور مخالفت کرتا ہے کہ اسلام کے نزدیک افزائش دولت اور اثبات ملکیت کے لئے عمل و محنت کے ساتھ سرمائے کی شرکت ضروری اور لابدی ہے ، چنانچہ اس کے لئے اسلام نے وہ قواعد بھی وضع کئے ہیں ' جو شیوعیت اور سرمایہ داری کی افراط و تفریط کر روک سکتے ہیں -

اگرچہ اسلام افزائش دولت کے لئے عمل و محنت اور سرمائے دونوں کی شراکت کا حامی ہے ، لیکن اس کے باوجود وہ اس سلسلے کی بعض شراکتوں کو بدرجہ اقل مکروہ تنزیہی سمجھتا ہے- جیسے کہ مثال کے طور پر زمین کی مزارعت (بٹائی) ہے - حضرت ابن عباس کی روایت ہے - '' **خرج النبی الی ارض وھی تھتز زرعا فقال لمن ھذہ - فقالوا اکتراھا فلان - فقال لو منحھا کان خیرا من ان یاخذ اجرا معلوما** '' (٣٦) - (نبی علیہ الصلوۃ السلام ایک کھیت میں تشریف لے گئے - اس میں فصل لہرا رہی تھی - آپ نے فرمایا : یہ کس کا ہے - لوگوں نے بتایا کہ اسے فلاں نے بٹائی پر لے رکھا ہے - آپ نے فرمایا - اگر وہ اس کھیت کو اسے بغیر کسی معین بٹائی کے عطا کر دیتا - تو زیادہ اچھا تھا) ایک اور حدیث ہے '' **من کانت لہ ارض فلیزرعھا اویمنحھا اخاہ ولا یؤجرھا ایاہ ولا یکریھا** '' (٣٧) - (اگر کسی کے پاس زمین ہے - تو یا تو وہ خود اسے کاشت کرے - یا اپنے بھائی کو

عطا کر دے - اسے اپنے بھائی کو نہ بٹائی پر دے اور نہ معاوضے پر) - زمین کو اس طرح بٹائی پر نہ دینے کے سلسلے میں اسلام کا یہ جو نقطہ نظر ہے - اس پر اقتصادی لحاظ سے پوری طرح غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے - کیونکہ اس سے اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ اسلام عمل و محنت اور سرمائے کی شراکت کس اصول پر چاہتا ہے - اور وہ کون سے حالات ہیں - جن میں یہ شراکت مباح ہے - اور کن حالات میں اس کا حکم کراہت کا ہے -

مساوات

جب بھی انسانیت کی پشت پر ظلم و طغیان کے کوڑے برسے ، اس نے ہمیشہ مساوات کے خواب دیکھے - صدیاں گزر گئیں اور اقوام عالم مساوات کی تلاش میں سر گرداں ہیں - اور انہیں یہ مساوات سوائے فلسفیوں کی تصنیفات کے اور کہیں نظر نہ آئی - گویا مساوات ایک سراب ہے - جب بھی اس کے پاس پہنچو ، وہ نظروں سے روپوش ہو جاتی ہے - اس دوران میں رسول مقبول علیہ الصلوۃ والسلام مبعوث ہوتے ہیں - آپ اس خواب کو ایک حقیقت بنا دیتے ہیں - ایسی حقیقت جس نے تاریخ کا رخ بدل دیا - اور پہلی دفعہ دنیا میں ایک معاشرہ معرض وجود میں آیا - جو مساوات کے بارے میں باتیں کرنے کے بجائے اس پر عامل تھا - اگرچہ بعد میں اسلامی افق سے یہ درخشاں نور چھپ گیا لیکن وقتاً فوقتاً اسلامی تاریخ میں اس کی تھوڑی بہت شعاعیں نظر آتی رہیں - اب یہ قصور اسلام کا نہیں - بلکہ مسلمانوں کا ہے - جنہوں نے اپنے اسلام کو ضائع کر دیا - اور ان کے ہاتھ سے عزت و احترام کے اسباب جاتے رہے - اس ضمن میں جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ، وہ ایک ایسا دین ہے ، جو ہمیشہ کے لئے ہے ، اور ایک ایسا سر چشمہ ہے ، جو کبھی خشک نہیں ہو گا - اگر ہم اس کی طرف لوٹیں گے تو اس کو اسی حالت میں پائینگے جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے - یعنی ہماری روحوں کے لئے غذا ہے - ہماری قوت کا سر چشمہ ہے - اور عدل و انصاف کی حقیقی اساس ہے - اس میں ظلم بار نہیں پا سکتا - اس میں ایسی مساوات ہے کہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں - اور اگر ایک انسان کو دوسرے پر

کوئی فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر۔ اسلام میں مساوات صرف تنگ مادی دائرے تک محدود نہیں ۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے نفوس کو ہر قسم کی عبودیت و غلامی سے آزادی دیتا ہے ۔ اس مساوات کا نقطہ آغاز ایک خدا پر ایمان لانا ہے ، جو سب کا پروردگار ہے ۔ اور وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے ۔ وہی مارتا ہے ، اسی کے ہاتھ میں روزی ہے ۔ اور ہر چیز پر اسی کا اقتدار ہے ، ہمارے اور اس کے درمیان کوئی اور واسطہ نہیں ۔ اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے ۔ ہم سب اسی کے بندے ہیں ، خواہ ہم میں سے کوئی کتنا بھی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو ۔

جب مسلمان اسلام کے اس عقیدے میں جو اساسی معانی مضمر ہیں ، ان پر ایمان لاتے ہیں ۔ تو ان میں سے ہر ایک اپنے کمزور اور فانی وجود کو خدائے قادر و رحیم کی قدرت سے براہ راست مربوط محسوس کرتا ہے ۔ اور اس سے اس کے اندر بہادری اور احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ، جو اسے یہ شعور بخشتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں معاشرے کے ہر ہر فرد کے مساوی ہے ۔ قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے ۔ چنانچہ جب مسلمانوں کے دلوں میں یہ عقیدہ گھر کر جانتا ہے تو پھر اسلامی معاشرہ اس مرحلے میں داخل ہوتا ہے ، جو حقیقی مساوات کا ہے ۔ اس کے بعد ہی تشریعات اسلامی بروئے کار آتی ہیں ، اور یہ اسلامی معاشرہ وہ امت بنتا ہے ۔ جسے قرآن مجید نے '' خیر امت اخرجت للناس '' کہا ہے ۔

مساوات اسلام کا ایک امتیازی نشان ہے ۔ اور غیر مسلم انصاف پسند مصنفین تک نے اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف کیا ہے ۔ اس ضمن میں مشہور برطانوی مفکر تھامس کارلائل نے جو کچھ لکھا ہے، وہ سب کو معلوم ہے ۔ قرآن مجید نے بار بار اس مساوات پر زور دیا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔ '' یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم '' (۳۸) ۔

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنادیا ۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو ۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ۔)

" و ما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی الا من امن و عمل صالحا "، فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملوا و ھم فی الغرفات امنون (٣٩)۔

(اور تمھارے اموال اور تمھاری اولاد ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ھمارا مقرب بنادے ۔ مگر ھاں جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے ۔ سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا دگنا صلہ ھے ۔ اور وہ بالا خانوں میں چین سے ھوں گے) ۔

غرض یہ اسلام تھا، جس نے مسلمانوں کو بھائی بھائی بنایا ۔ اُن کے دلوں کو متحد کیا ۔ انہیں قانون کے سامنے اور معاشرے کے اندر مساوات دی ۔ اور اس امر کی وضاحت کی کہ انسان کا عمل ھی اس کی شفا کرسکتا ھے ۔ چنانچہ ارشاد ھوا " **وان لیس الانسان الا ما سعی** " اور یہ کہ " **لاتزر وازرۃ وزر اُخری** " (انسان کے لئے وھی ھے ، جس کی اس نے کوشش کی ۔ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا)

غلامی اور مرد و عورت میں مساوات

بعض لوگ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ھیں کہ اس نے غلامی کو روا رکھا حالانکہ حقیقت یہ ھے کہ اسلام نے غلامی کو روا نہیں رکھا ۔ بلکہ جب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ غلامی جزیرہ عرب کے معاشرے کی اساس ھے، چنانچہ اسلام نے ایسے قواعد وضع کئے، جن سے اس کا قلع قمع ھوسکے ۔ اسلام غلامی کا دروازہ بالکل تو بند نہ کرسکا، لیکن اس نے نئے غلام بنانے کا دروازہ کافی تنگ کردیا ۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے غلاموں کا درجہ بلند کیا، اور انہیں اللہ کی نظر میں اور بہت سے اجتماعی حقوق میں آقاؤں کے برابر کردیا ۔ اسلام نے مال کے عوض غلاموں کو آزاد کرنے (مکاتبت) کا حکم دیا ۔ اور بیت المال میں سے ایک رقم غلاموں کو آزاد کرانے (فک الرقاب) کے لئے خرچ کرنا فرض ٹھہرایا ۔ اس طرح اسلام نے بہت سی غلطیوں اور گناھوں کا کفارہ غلاموں کو آزاد کرنا قرار دیا ۔ اگر اسلامی معاشرہ اس راہ پر چلنے سے انحراف نہ کرتا، جو شریعت اسلامی نے غلاموں کے بارے میں تجویز کی تھی ، تو ان ذرائع سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے گئے تھے، غلامی کبھی

کی مٹ گئی ہوتی - مزید برآں اسلام نے غلاموں اور موالی کو حکومت کے اعلیٰ عہدے دیئے -اور ان میں سے بڑے بڑے امرا' علماء اور قاضی ہوئے' اور اگر یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اگر ابو حذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے' میں اپنے بعد انہیں خلیفہ بناتا - تو اس صورت میں حضرت عمر کے بعد خلافت کی مسند پر ایک غلام فائز ہوتا - نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی بہت سی روایات ایسی ہیں' جن میں غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا واجب قرار دیا ہے - اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ اس آرزو کا اظہار کیا کرتے تھے کہ جب میں مروں' تو غلام ہوں -

جہاں تک مرد اور عورت کی مساوات کا تعلق ہے' اسلام سے پہلے کسی نظام نے مرد اور عورت کو اللہ کی نظروں میں مساوی قرار نہیں دیا - ارشاد ہوتا ہے - " **و من یعمل من الصالحات من ذکر او انثی و ھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ و لا یظلمون نقیراً** " (۴۰)

(اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے - اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا -)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

" **من عمل صالحا من ذکراو انثی و ھو مومن فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ و لنجزینھم اجرھم با حسن ما کانوا یعملون** (۴۱) -

(جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کو اجر دیں گے) -

ارشاد الٰہی ہے :

" **فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض**" (۴۲) -

(سو منظور کرلیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اکارت نہیں کرتا) -

اسلام نے مردوں اور عورتوں کو اهلیت اور اپنے امور کا انتظام کرنے کے حقوق میں مساوی قرار دیا ہے - اور اکثر نظاموں میں اب تک یہ نہیں ہے - شادی شدہ عورت ابھی تک وہاں ان حقوق سے محروم ہے - قرآن مجید میں ہے :

'' للرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء نصیب مما اکتسبن (۴۳) -

(مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے) -

اسلام نے بعض محدود و معین حالات کے علاوہ مردوں کو ہرگز عورتوں پر فضیلت نہیں دی - اور اس کی وجہ بھی ہر دو کی الگ الگ فطری استعداد اور ذمہ داریاں ہیں - چنانچہ جب مرد اور عورت اپنی اپنی فطری استعدادوں اور ذمہ داریوں میں برابر ہوں، تو ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا - اور ان کا مساوی ہونا فرض ہوگا - اب جو اسلام نے لڑکی کے مقابلے میں لڑکے کو وراثت میں دگنا حصہ دیا ہے - تو اس کے ساتھ مرد پر عورت کے نان و نفقہ کی ذمہ داری بھی ڈال دی ہے - اور یہ ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی گئی -

اسلام نے عورتوں کو چودہ سو سال پہلے جو حقوق دیئے تھے، دوسری جنگ عظیم کے بعد جا کر کہیں برطانیہ اورفرانس جیسی حکومتوں نے وہ حقوق عورتوں کو دیئے ہیں - بعض مسلم معاشروں میں عورتوں کو دبانے اور ان کی سرگرمیوں پر پابندیاں لگانے کے لئے جو چیخ پکار ہوتی ہے تو اس کا سبب ان مخصوص معاشروں کی اپنی روایات و تقالید ہیں، اس کا احکام اسلامی سے کوئی تعلق نہیں -

کفالت اجتماعی

اسلام ہی وہ مذہب ہے، جس نے سب سے پہلے کفالت اجتماعی کی دعوت دی - اور اسے معاشرے کے لئے ضروری قرار دیا - اسلام نے حکومت پر فرض کیا کہ وہ اپنی سیاسی طاقت کے بل پر کفالت اجتماعی کو عملی جامہ پہنائے اور اپنے بیت المال سے اس کو مالی مدد دے - لیکن افسوس اسلام نے دنیا

میں پہلی بار جس خواب کو حقیقت کر دکھایا، جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا :

'' ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجاعھم ائمہ" و نجعلھم وارثین " ۔

(ہم ان لوگوں پر جو زمین میں کمزور تھے، احسان کرنا چاہتے تھے ۔ اور چاہتے تھے کہ ان کو امام اور اس زمین کا وارث بنائیں) ۔

وہ دیرپا ثابت نہ ہوا اور اسلام کے بہت سے احکام بے اثر ہوکر رہ گئے ۔ الہی میں سے کفالت اجتماعی کا اسلامی نظام بھی تھا ۔ اب اس زمانے میں بہت سی متمدن حکومتیں کفالت اجتماعی کی داعی ہیں اور یہ چیز اس دور کا خصوصی شعار ہوگئی ہے ۔

کفالت اجتماعی کے سلسلے میں اسلام نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اس نے کام کرنے کو شرعاً واجب اور بے کاری کو حرام قرار دیا ۔ بلکہ اس کےنزدیک محتاج اور معذور کے علاوہ دوسرے کے لئے بھیک مانگنا جرم ہے ۔ ہر فرد کے لئے کام کرنے کو واجب قرار دینے کے بعد اسلام کفالت اجتماعی کے ضمن میں دو عملی تدابیر پیش کرتا ہے ۔ ایک یہ کہ خاندان پر فرد کی معاشی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ۔ اور دوسرے اسلام نے صدقہ و احسان کرنے پر زور دیا ہے ، اس کے بعد حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بیت المال سے محتاجوں کی مدد کرے ۔

کفالت اجتماعی کا اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد میں معین ہو گیا تھا ۔ ایک روایت ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس آئیں تاکہ آپ ص سے اپنے یتیم بچوں کے لئے کچھ کہیں ۔ آپ ص نے ان سے فرمایا کہ تم ان بچوں کے معاملے میں فقر و احتیاج سے خائف ہو ۔ میں اس دنیا میں اور آخرت میں ان کا ولی اور ذمہ دار ہوں ۔ آپ ص نے حضرت جعفر کی بیوی سے یہ بات اس بنا پر نہیں کہی کہ حضرت آپ کے قریبی عزیز تھے، مگر آپ نے یہ بحیثیت امام اور حاکم یہ فرمایا تھا ۔

آنحضرت صلی اللہ علی وسلم کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس اصول کو عملی جامہ پہنایا - چنانچہ ان دونوں خلفا نے کفالت اجتماعی کے ضمن میں جو کچھ کیا ' اس کی مثالیں تاریخ اسلام میں بکثرت موجود ھیں -

کفالت اجتماعی کے قوانین کو مندرجہ ذیل تین خطرات سے جو بالعموم افراد معاشرہ کو پیش آتے ھیں' عہدہ برآ ھونا پڑتا ھے - (۱) جسمانی خطرات جو افراد کو لاحق ھوتے ھیں اور انہیں کام کرنے کے قابل نہیں رھنے دیتے - جیسے کہ بیماریاں' جسمانی معذوری اور بڑھاپا - (۲) پیشہ ورانہ خطرات - وہ خطرات جو کام کرنے والوں کو اپنے کام کے سلسلے میں پیش آتے ھیں - اور ان کی وجہ سے وہ جزوی یا کلی طور پر کام کرنے کے قابل نہیں رھتے - (۳) غریبی و افلاس کے خطرات - ایک شخص کثیر العیال ھے اور اس کی آمدنی کم ھے -

ان خطرات سے عہدہ برآ ھونے کے لئے اسلام کیا تجویز کرتا ھے - اس کے لئے ھمیں غور و توجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھنا چاھئے' جو انہوں نے اپنے مصر کے والی کو لکھا تھا (۴۴) - حضرت علی نے لکھا :-

> نچلے طبقے کا جس کا کوئی ذریعہ معاش نہیں' مسکینوں' محتاجوں ' مصیبت زدوں اور جسمانی معذوروں کا خیال رکھو - ان طبقوں میں سے بعض تو سوال کرلیتے ھیں اور بعض ایسے ھیں جنہیں بغیر سوال کے دینا چاھئے - ان کے معاملے میں اللہ نے اپنے جس حق کا تمہیں ذمہ دار بنایا ھے' اسے دور کرنے میں اللہ کو حاضر و ناظر جانو - ان کے لئے ایک تو اپنے بیت المال کا اور دوسرے مال غنیمت کا حصہ مقرر کردو - اسلام کا عمل دخل پوری مملکت اسلامیہ میں ھے ' جو مذکورہ بالا طبقوں میں سے دور دراز حصوں میں رھتے ھیں ' ان کے بھی اتنے ھی حقوق ھیں' جتنے قریب کے حصوں میں رھنے والوں کے - ان میں سے ھر ایک کے حق کو تمہیں ملحوظ رکھنا چاھئے - تمہاری اپنی آسودہ حالی اور

حال مستی ان سے تمہیں غافل نہ کردے - اس بارے میں تمہاری ذرا سی کوتاہی بھی قابل معافی نہیں ہوگی - خواہ تم ایک اہم اور بڑے کام کو اچھی طرح بھی کرلو - اس کے باوجود تمہاری توجہ ان لوگوں سے نہیں ہٹنی چاہئے - اور نہ تم ان سے تکبر سے پیش آؤ - ان میں سے جو شخص تم تک نہیں پہنچ سکتا - وہ نگاہوں میں نہیں جچتا اور لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں' اس کا خاص خیال رکھو - جو فرماں بردار اور تواضع کرنے والے ہیں' ان پر تمہیں اعتماد کرنا چاہئے ... یتیم کنبوں اور چھوٹی عمر والوں کی' جن کے پاس نہ وسائل ہیں اور نہ وہ خود سوال کرسکتے ہیں ' ان کی بڑی اچھی طرح دیکھ بھال کرو - بے شک والیوں پر یہ ذمہ داریاں بڑی گراں ہیں' لیکن حق ہوتا ہی بڑا گراں ہے -''

حضرت علی کا اپنے والی مصر کے نام یہ خط محض باتیں نہیں' جو صفحہ قرطاس پر لکھ دی گئیں' بلکہ وہ نافذ ہونے والا قانون ہے - جو ایک صاحب اقتدار حاکم اپنے ایک والی کے نام بطور حکم کے جاری کرتا ہے تاکہ اسے بروئے کار لایا جائے اور اس کی مدد سے کفالت اجتماعی کے ایک بہترین نظام کی طرح پڑے -

اس اصول کی عملی تطبیق اور معاشرتی عدل و انصاف کے قیام' نیز افراد معاشرہ کو فقر و احتیاج سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں تاریخ اسلام میں جو مشکلات پیش آتی رہی ہیں - اب میں ان سے بحث کروں گا -

فقر و احتیاج

اس بارے میں اس واقعہ کا ذکر کرنا کافی ہے' جو حضرت عمر کو ایک عورت کے ساتھ پیش آیا تھا - یہ عورت زبردستی اپنے بچے کا دودھ چھڑا رہی تھی اور بچہ تھا کہ بری طرح چیخ چلا رہا تھا - حضرت عمر نے اس عورت سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے - اس نے جواب دیا (اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ حضرت عمر سے مخاطب ہے) کہ عمر دودھ پیتے بچے کو تو وظیفہ نہیں دیتے - میں اس لئے بچے کا دودھ چھڑا رہی ہوں کہ مجھے اس بچے کا وظیفہ ملے - اور اس سے میں اپنی احتیاج پوری کروں - یہ سن کر حضرت عمر اپنے گھر لوٹے - انہوں نے نماز فجر ادا کی' اور سلام پھیرنے کے

بعد اپنے آپ سے کہنے لگے - اے عمر! تیرے لئے خرابی ہو - معلوم نہیں تیرے اس حکم سے مسلمانوں کے کتنے بچے مرے ہیں - پھر انہوں نے منادی کرنے والے سے یہ منادی کرائی - اے لوگو! اپنے بچوں کا جلد دودھ نہ چھڑاؤ ہم نے ہر بچے کے لئے اس کے پیدا ہونے کے بعد سے ہی وظیفہ مقرر کردیا ہے۔

ایک عورت کا واقعہ جو اپنے بھوکے بچوں کو چولھے پر ہنڈیا رکھے ' جس میں کہ خالی پانی اور صرف کنکریاں تھیں ' بہلا رہی تھی کہ حضرت عمر وہاں پہنچے ، تاریخ اسلام میں مشہور ہے - حضرت عمر خود بیت المال سے اس کے لئے غلہ لے کر گئے - خود بچوں کے لئے کھانا پکایا - اور جب تک وہ کھا کر سیر نہیں ہوئے - وہ وہاں رہے -

بڑھاپا اور بیماری

حضرت علی نے والی مصر کے نام جو ہدایات بھیجی تھیں ، ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے - یہاں ہم حضرت عمر کی زندگی کی بعض اور مثالیں پیش کرتے ہیں - حضرت عمر نے ایک اندھے کو دیکھا کہ وہ راہ چلنے والوں سے بھیک مانگ رہا ہے - انہیں معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے - حضرت عمر نے اس سے پوچھا کہ کس چیز نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے ، اس نے کہا - جزیہ ' احتیاج اور بڑھاپے نے - حضرت عمر اسے اپنے گھر لے گئے اور اس کی ضرورت پوری کی - اس کے بعد حضرت عمر نے بیت المال کے خازن کو بلوایا - اور اس سے کہا '' یہ کتنی بری بات ہے - خدا کی قسم ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا - ہم نے اس کی جوانی سے تو فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اس ذلیل کر رہے ہیں - بے شک صدقات فقرا اور مساکین کے لئے ہیں - '' **انما الصدقات للفقراء والمساکین** '' - اور یہ شخص مساکین اہل کتاب میں ہے - اسی بنا پر حضرت عمر نے بوڑھوں ' بیماروں اور معذوروں سے جزیہ معاف کر دیا تھا اور ان کے گزارے کے لئے بیت المال سے وظیفے مقرر کئے تھے - غرض اس بارے میں حضرت عمر نے ایک شان دار اصول وضع کیا - جس کی رو سے عدل اجتماعی کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ رکھا گیا - بلکہ اس میں تمام مسلم اہل وطن شامل تھے - اس کی ایک اور مثال حضرت

عمر کا وہ واقعہ ہے کہ آپ شام جاتے ہوئے ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے ، جنہیں کوڑھ تھا - اور وہ عیسائی تھے - حضرت عمر نے انہیں صدقات دینے کا حکم دیا - اور ان کا گزارہ مقرر کر دیا -

ایک دفعہ حضرت طلحہ نے حضرت عمر کو رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے باہر نکلتے دیکھا - وہ چپکے سے ان کے پیچھے ہو لئے - حضرت عمر ایک مکان میں داخل ہوئے اور پھر وہاں سے نکلے - جب صبح ہوئی تو حضرت طلحہ اس مکان میں گئے اور وہاں ایک اندھی معذور بڑھیا دیکھی - حضرت طلحہ نے اس سے پوچھا کہ یہ کون شخص تمہارے پاس آتا ہے - اس بڑھیا نے کہا کہ یہ ایک عرصہ سے میری دیکھ بھال کر رہا ہے - جس چیز کی مجھے ضرورت ہوتی ہے وہ لا کر دیتا ہے اور میری جو تکلیف ہوئی ہے ، وہ دور کرتا ہے -

ماؤں کی دیکھ بھال

ماؤں کا جس طرح خیال رکھا جاتا تھا ، حضرت عمر کا ایک واقعہ اس کی ایک مثال ہے- حضرت عمر اپنی عادت کے مطابق ایک رات گھر سے نکلے- پھرتے پھراتے وہ ایک جگہ پہنچے تو وہاں ایک عورت کو درد زہ میں کراہتے سنا- تو واپس گھر آئے- اور اپنی بیوی ام کلثوم کو اس عورت کے پاس لے گئے انہوں نے اس عورت کی ولادت میں ضروری مدد کی- اس دوران میں حضرت عمر خود کھانا تیار کرنے میں لگ گئے -

یہ اور اس طرح کی دوسری اعلا انسانیت کی مثالیں جو ہماری تاریخ میں پائی جاتی ہیں ، ان سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اسلام میں اجتماعی خطرات کا کس طرح مقابلہ کیا جاتا تھا - اگر مسلمان اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں ان اصولوں پر عامل رہتے ، تو آج ہماری بالکل دوسری حالت ہوتی- لیکن ہم سے لغزشیں ہوئیں ، جس کے نتیجے میں ہم کمزور پڑ گئے - ہم پھر اسی صورت میں اپنی عزت بحال کر سکتے ہیں اگر ہم اللہ کے حکم کی طرف لوٹیں اور ان ارشادات پر عمل کریں -

کفالت اجتماعی کے مالی ذرائع

کفالت اجتماعی کے لئے مالی آمدنی کا سب سے پہلا ذریعہ تو زکاۃ ھے - زکاۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر فرض ھے - اور یہ اسلام کے ارکان میں سے تیسرا رکن ھے - زکاۃ ھی کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے مرتدین سے جنگ کی تھی - زکاۃ کہاں کہاں خرچ ھو ' قرآن مجید نے ان مصارف کی یوں وضاحت کی ھے -

انما الصدقات للفقراء و المساکین و العاملین علیھا و المولفة قلوبھم وفی الرقاب و الغارمین وفی سبیل اللہ و ابن السبیل فریضة من اللہ ،، (۴۵) -

صدقات تو صرف حق ھے غریبوں اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان پر متعین ھیں اور جن کی دل جوئی کرنا ھے - اور گردنیں چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں ارر جہاد میں اور مسافروں میں) -

یہ ایک امر مسلم ھے کہ زکاۃ کے بعض مصارف اب ختم ھو گئے ھیں- جہاں تک '' مولفة قلوبھم '' کا تعلق ھے ' حضرت عمر کے عہد خلافت سے انہیں زکاۃ میں سے حصہ نہیں دیا جا رہا - '' فی الرقاب '' یعنی غلاموں کا قصہ اب پرانا ھو گیا ھے - اس کی حیثیت محض تاریخی رہ گئی ھے - اور غلام سرے سے رھے ھی نہیں - رھے '' **العاملین علیھا** '' یعنی زکاۃ کی تحصیل کا کام کرنے والے - تو وہ اب حکومت کے ملازم ھوتے ھیں اور سرکاری خزانے سے ان کو تنخواہ ملتی ھے- اس لئے ان پر زکاۃ خرچ کرنےکی ضرورت نہیں رھی - ظاھر ھے اب زکاۃ کی ساری رقم بیت المال میں جائے گی تا کہ اس سے کفالت اجتماعی کی ضرورتیں پوری ھوں -

عطیات و صدقات

زکاۃ کے علاوہ کفالت اجتماعی کی آمدنی کی ایک اور مد عطیات و صدقات ھیں ، حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں یہ مسئلہ وجہ نزاع بن گیا تھا - ھوا یہ کہ ایک مجلس میں جہاں کعب الاحبار موجود تھے ' یہ بحث چھڑی کہ اگر مال کی زکاۃ ادا کر دی جائے، تو کیا اس کے بعد مال میں کوئی اور

حق رہتا ہے ۔ حضرت عثمان نے اس کے متعلق کعب سے پوچھا تو انہوں نے کہا نہیں۔ اس پر حضرت ابو ذر نے جو وہاں موجود تھے ، کعب کو ڈانٹا ۔ اپنا عصا ان کے سینے پر مارا اور کہا ۔ تم غلط کہتے ہو ۔ اور حضرت ابو ذر نے یہ آیت پڑھی ۔

" لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملائکہ" والنبیین واتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین و ابن السبیل وفی الرقاب و اقام الصلاۃ واتی الزکاۃ " (۴۶) ۔

(یہ نیکی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کر لو یا مغرب کو ۔ لیکن نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتب سماویہ پر ۔ اور پیغمبروں پر ۔ اور مال دیتا ہو ، اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو ۔ اور گردنیں چھڑانے میں ۔اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکاۃ بھی ادا کرتا ہو) ۔

اس کے بعد حضرت ابوذر نے کہا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زکاۃ کی ادائیگی اور ذوی القربی اور یتامی پر خرچ کرنے میں تفریق کی ہے ۔ یہ رائے حضرت ابوذر کی اپنی ہے ۔ کیونکہ ایتاء الزکاۃ کے عطف کا پہلی عبارت پر بھی اطلاق ہوتا ہے ۔ اس سے قطع نظر ، بہر حال جہاں تک مال خرچ کرنے کا تعلق ہے ، قرآن مجید اور احادیث نبوی میں اس پر بڑا زور دیا گیا ہے ۔ ان میں اس کا حکم ہے اور اس کی ترغیب دلائی گئی ہے ۔ یہاں تک کہ غریب بیوہ عورت اور مسکین کی مدد کرنے والے کا وہی درجہ ہے ۔ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا ہے ۔ اسی طرح جو شخص ایک یتیم کو اکل وشرب میں اس وقت تک اپنے ساتھ رکھے ، جب تک وہ اس سے بے نیاز نہ ہو جائے ، اس کے لئے جنت یقینی ہے ۔

توظیف اموال

امام ضرورت کے وقت لوگوں سے مال لینے کا حق رکھتا ہے ۔ اسے "توظیف" کہتے ہیں ۔ لیکن امام صرف ضرورت کے وقت ہی اس مد کی طرف رجوع کر سکتا ہے ۔ تمام حالات میں اس پر عمل نہیں ہو گا ۔ فقہ مالکی میں مصالح

مرسلہ کے نظریے کے تحت جب بیت المال خالی ہو - فوج کی ضرورتیں بڑھ جائیں اور وہ بیت المال سے پوری نہ کی جا سکتی ہوں ، تو اس صورت میں امام اغنیا پر اس وقت تک اتنا ٹیکس لگا سکتا ہے کہ جب تک بیت المال میں مال نہ آجائے - اس سے ضرورتیں پوری ہوتی رہیں - امام کو چاہیئے کہ وہ یہ زائد ٹیکس فصلوں کی کٹائی یا پھلوں کو توڑنے کے وقت لگائے -

اس بارے میں یہ رائے صحیح نہیں کہ امام ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قرض لے - امام شاطبی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ غیر معمولی حالات میں صرف اس صورت میں قرض لیا جا سکتا ہے کہ بیت المال میں کہیں سے آمدنی کی توقع ہو - اور اس کا انتظار کیا جا رہا ہو - لیکن اگر کسی آمدنی کا انتظار نہیں اور بیت المال کے ذرائع آمدنی اتنے کم ہیں کہ وہ ضرورت کے لئے کافی نہیں ، تو امام کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ لوگوں پر مزید ٹیکس لگائے -

غرض امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مصالح مرسلہ کی بنیاد پر ، جس پر کہ مالکی فقہا کا عمل ہے - کفالت اجتماعی کے لئے ضروری وسائل فراہم کرنے کی خاطر بیت المال کی آمدنی کی اس تیسری مد سے کام لے - جب اس کی دو سابق الذکر مدوں یعنی زکاۃ اور عطیات و صدقات سے معاشرے کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکیں -

اختتامیہ

وقت کی تنگی اور اپنی معلومات کی کمی کے باوجود میں نے جو کچھ اوپر لکھا ہے ، اس سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اجتماعی ظلم کے سد باب کے لئے اسلام کس قدر کوشاں ہے - نیز اسلام ہی میں ہمیں وہ روشنی نظر آتی ہے ، جو بری لیتوں اور نفوس انسانی کی حرصوں کو آشکار کرتی ہے اور یک متوازن معاشرہ کے قیام کی راہ دکھاتی ہے ، جس کے لئے حق اور عدل دو لازم و ملزم جزو ہیں -

یہاں یہ بحث جو میں نے کی ہے ، یہ ابتدائی نوعیت کی ہے - اور اس کے نقائص اور اس کی بعض کوتاہیوں کا بھی مجھے اعتراف ہے - اب میں اپنی اس

بحث سے بعض بنیادی اصول اخذ کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں ، اس امید پر کہ ان پر مزید غور و خوض ہوگا اور ان کے بارے میں آپس میں گفت و شنید ہو گی ۔ اور اس طرح ان میں سے جن باتوں پر آپ اتفاق کریں گے ۔ انہیں قبول کر لیا جائے گا ۔ پھر ان بنیادی اصولوں کو زیادہ تفصیل سے قلم بند کر کے ایسی شکل دے دی جائے گی کہ آج اس جدید دور میں ہمارے لئے جو سب سے اہم مشکل ہے اسے حل کرنے کے لئے اللہ کا جو حکم ہے ۔ وہ واضح ہو جائے ۔

یہ بنیادی اصول حسب ذیل ہیں ۔

(۱) شریعت اسلامی کی حدود کے اندر ملکیت انفرادی حقوق قابل حفاظت بھی ہیں اور قابل احترام بھی ۔

تمام اموال اللہ کی ملکیت کے حکم میں آتے ہیں ۔ اور اللہ نے اپنے بندوں کو ان اموال پر اپنا نائب مقرر کیا ہے تاکہ وہ انہیں اس طرح خرچ کریں اور اپنے مفادات و مصالح کے مطابق ان میں یوں تصرف کریں کہ اس سے جماعت کے مفادات و مصالح پر زد نہ پڑے ۔ کیوں کہ دراصل یہ جماعت ہی کے مفادات و مصالح ہیں ، جن کے لئے اللہ نے اموال پیدا کئے ۔

ملکیت ایک اجتماعی فریضہ ہے ۔ اسلام نے اسے غصب ، چوری اور ضبطی سے پوری طرح محفوظ و مامون کیا ہے ۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام نے صاحب ملکیت پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنی ملکیت کے استعمال میں ظلم و زیادتی کا ارتکاب نہ کرے ، اور اس مقصد سے منحرف نہ ہو ، جس کے لئے وہ ملکیت اسے سپرد کی گئی ہے ۔

(۲) اسلام فرد کے وجود کا احترام کرتا ہے اور وہ ان حدود کے اندر جن سے جماعت کے مفادات پر زد نہ پڑے اور اس شکل میں جس سے کہ جماعت کے مفادات عملاً پورے ہوئے ہوں ، فرد کی آزادی اور اس کے احترام کو تسلیم کرتا ہے ۔ اور اس کی حفاظت پر زور دیتا ہے ۔

افراد معاشرہ میں مساوات کا قیام اسلام کے احکام میں سے ایک حکم ہے ، جو یہ فرض کرتا ہے کہ تمام اہل وطن کو مساوی مواقع حاصل ہوں اور

انہیں نظام حکومت میں برابر کے درجے ہوں - اسلام نسلی تفرقے کو اس کی ہر شکل میں ناپسند کرتا ہے ، نیز وہ ہر فرد کو حق دیتا ہے کہ اسے کام ملے اور یہ کہ اس سے کام لیا جائے -

(۳) اسلامی معاشرے کے ہر فرد کا یہ ثابت شدہ حق ہے کہ مرض ، جسمانی معذوری ، غریبی اور بڑھاپے میں اس کی کفالت ہو ، اسی طرح ان تمام حالات میں فرد کی کفالت کی جائے - جب وہ وسائل معاش سے ایسے اسباب کی وجہ سے محروم ہو جائے ، جن میں اس کے ارادے کا کوئی دخل نہ ہو -

آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں جو کچھ میں نے کہا ہے ، اسے وہ قبول کرے اس کا مجھے اجر خیر عطا فرمائے - اور آپ سب حضرات کو اللہ اپنے دین کی خدمت اور اپنے احکام کی سر بلندی کی توفیق دے اور ہمارے ارباب حکومت میں سے مومنوں کو اپنی شریعت کے قیام میں مدد دے اور ان کا سازگار ہو - اور اللہ ہی ہے توفیق دینے والا اور سیدھے راستے پر چلانے والا -

حوالہ جات

۱ ۔ ایها الناس ان دماءکم و اموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا وکحرمة شهرکم هذا

(اے لوگو بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر قابل حرمت ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملو ایسے ہی قابل حرمت جیسے یہ دن اور جیسے یہ مہینہ) — خطبة الوداع —

۲ - من قتل دون ماله فهو شهید (اخرجه الشیخان)

(جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے)

۳ ۔ والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا ۔ نکالا من الله ۔ (القرآن : المائدة)

(چوری کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ سزا ہے اللہ کی طرف سے ان کے اس فعل کی جو انہوں نے کیا)

٤ ۔ من اقتطع مال امرئ مسلم بغیرحق لقی الله عزوجل وهو علیه غضبان (مسند امام احمد)

(جس نے کسی مسلمان کا بغیر حق کے مال لے لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو اس حالت میں ملے گا کہ اللہ اس پر ناراض ہوگا)

٥ ۔ قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق (القرآن الاعراف)

(اے نبی کہدو کس نے اللہ کی قابل زینت چیزوں کو جو اس نے بندوں کے لئے پیدا کیں اور روزی کی اچھی چیزوں کو حرام ٹھہرایا)

یا بني آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (القرآن الاعراف)

اے بنی آدم ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو

۶ ـ اذا آتاك الله مالا فلیرا اثر نعمة الله علیك وکرامته

(ابوداؤد و نسائی)

جب اللہ تعالیٰ تمہیں مال دے تو اللہ کی نعمت اور تکریم کا تم پر اثر دیکھا جانا چاہئے۔

۷ ـ ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولاتبسطها کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً (القرآن : الاسراء)

اور نہ اپنا ہاتھ گردن سے ہی باندھ لینا چاہئے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ رہو گے۔

۸ ـ للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الولدان والاقربون ۔ (القرآن : النساء)

ماں باپ اور قرابت دار جو کچھ چھوڑ جائیں اسمیں سے مردوں کے لئے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابت‌دار چھوڑ جائیں۔

۹ ـ لله ما فی السموات وما فی الارض (القرآن)

اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمینوں میں

۱۰ ـ القرآن سورہ الحدید ۷

۱۱ ـ القرآن ، سورہ النور ۳۳

۱۲ ـ القرآن ، سورہ النساء ۵

۱۳ ۔ وصیت کے بارے میں آیت ہے :— من بعد وصیة یوصی بها او دین غیر مضار وصیة من الله والله علیم حلیم (البقرہ)

طلاق کے حق کے بارے میں آیت ہے :— (الطلاق مرتن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان)

اپنا حق طلب کرنے کے بارے میں آیت ہے:— ولا تاکلوا اموالکم بالباطل و تدلوا بها الی الحکام لتأکلوا فریقا من اموال الناس با لاثم وانتم تعلمون

۱٤ ۔ المدونة الکبري الامام مالك (امام عبدالرحمن بن القاسم سے امام سحنون کی روایت ۔ جز ۱۴ ص ۱۹۹)

۱۵ ۔ المدونة الکبری جز ۴ ص ۵

۱٦ ۔ ایضاً ص ۱۴

۱۷ ۔ کتاب الخراج ، امام ابو یوسف وبها مشه الجامع الصغیر لمحمد حاشیہ ص ۳۳

۱۸ ۔ المدونة الکبری جز ۱۴ ص ۲۳۵

۱۹ ۔ ایضاً جز ۱۵ ص ۱۹۷

۲۰ ۔ ایضاً جز ۱۴ ص ۲۲۱

۲۱ ۔ ایضاً جز ۱۵ ص ۱۹۵

۲۲ ۔ کتاب الخراج حاشیہ ۱۰۲ ، ۱۰۳

۲۳ ۔ المدونة الکبری جز ۱۵ ، ص ۱۹۴ ، ۱۹۵

٢٤ ـ كتاب الخراج ص ٥٣

٢٥ ـ كتاب الام ، امام شافعی جز ٥ ، ص ١٨٩ ، ٢٠١ ، ٢١١

٢٦ ـ احياء علوم الدين ، امام غزالی ، جز ٢ ص ١٤ ، ٢٥ ، ٣٥ ، ٣٦ ، ٤٨ ، ٢١٣

٢٧ ـ اعلام الموقعين ، امام ابن القيم جز ٣ ، ص ١٤٣ ، ١٤٤

٢٨ ـ ابن عابدين ـ رد المحتار على الدر المختار پر حاشيه الزيلعي (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق)

٢٩ ـ كتاب القانون المدني الروسي جز ١

٣٠ الملكية و نظرية العقد في الشريعة الاسلاميه ـــ شيخ ابو زهرة ـ

٣١ ـ كتاب الخراج امام ابو يوسف

٣٢ ـ التوبة ١٠٥

٣٣ ـ سورة الملک ١٥ ـ

٣٤ ـ القرطبی فی تفسيره

٣٥ ـ البخاری

٣٦ ـ مسند امام احمد جز ٤

٣٧ ـ ايضاً

٣٨ ـ الحجرات ١٣

٣٩ ـ سوره سبا ٣٦ ـ ٣٧

٤٠ ـ سوره النساء ١٢٤

٤١ ـ سوره النحل ٩٧

٤٢ ـ سوره آل عمران

٤٣ ـ النساء ٣٢

٤٤ ـ نهج البلاغه ج ٢ ص ١٠٠

٤٥ ـ التوبة ٥٩

٤٦ ـ البقرة ١٧٧